© rasailojaraid.com

تحریک آزادی برصغیر کے نامور مجاہد

جناب ظفر حسن ایبک مرحوم

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

پاکستان و ہند کی تحریک آزادی کے ایک مجاہد اور مولانا عبید اللہ سندھی کے رفیق ظفر حسن ایبک ۹۴ سال کی عمر میں ۵ جنوری ۱۹۸۹ء جمعرات کی صبح کو استانبول میں وفات پا گئے انا للہ و انا الیہ راجعون اسی روز ان کا جسد خاکی زنجیر لق کویو کے قبرستان میں ان کی خانم امینہ مکرم ایبک کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ظفر حسن کی وفات کے ساتھ تحریک آزادی کے اس قافلے کا آخری رکن بھی اس جہاں رنگ و بو سے رخصت ہو گیا جس نے محکومی کی شب تاریک میں آزادی کے چراغ جلائے وطن عزیز کو خیرباد کہا اعزہ و اقارب سے جدا ہوئے اور ابتلاء و آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرے۔

ظفر حسن ۱۸۹۵ء میں کرنال کے ایک آرائیں خاندان میں پیدا ہوئے سکول سے لے کر کالج تک ان کا تعلیمی ریکارڈ شاندار رہا وہ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں نو وارد ایک کے ذہین ترین طالب علم تھے۔ اور یونیورسٹی کے فائنل امتحان میں ڈیڑھ ماہ باقی رہ گیا تھا کہ انھوں نے ایک دوسرے عظیم تر امتحان کے میدان میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح ان کا تعلیمی کیریئر تو نامکمل رہ گیا مگر تاریخ حریت میں وہ ایک روشن ستارہ بن کر چمکے۔ جس کی مختصر روداد سطور ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

۱۲-۱۹۱۱ء میں برصغیر کے حالات اور عثمانی سلطنت میں طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے سبب ہندی مسلمانوں میں اضطراب و ہیجان کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اقبال اور ظفر علی خاں کی نظموں نے اس اضطرابی کیفیت کو مقاصد کی صورت عطا کر دی تھی۔ زمیندار، کامریڈ، الہلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمدرد، مسلم، گزٹ وغیرہ ملی احساسات کے ترجمان تھے۔ نوجوان طلبہ حیات نو کے اس پیغام سے بہت متاثر تھے طلبہ کے ایک گروہ کو مقاصد کی یہ لگن ایک نئی شاہراہ کی طرف لے گئی۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ عثمانی ترکیہ کو جرمنی کے حلیف کے طور پر اتحادیوں (برطانیہ، فرانس، زار روس، اطالیہ وغیرہ) کے خلاف جنگ میں شریک ہونا پڑا خلیفۃ المسلمین نے جہاد کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر لبیک کہتے ہوئے لاہور کے بعض کالجوں میں زیر تعلیم کچھ سرفروش مسلم طلبہ نے ایک اہم فیصلہ کیا۔ ۳، جنوری ۱۹۱۵ء کو آدھی کے وقت ایک کشتی میں بیٹھ کر وہ دریائے راوی کے منجدار میں پہنچے اور بڑی رازداری کے ساتھ جہاد میں عملاً شرکت کے لیے حلف اٹھایا۔ یہ حلف اٹھا کر انھوں نے ایک ماہ کے اندر سفر کی تیاری کی اور ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو جمعۃ المبارک کے روز ریل گاڑی کے ذریعے ہری پور ہزارہ پہنچے۔ وہاں سے ریاست امب گئے اور دریائے سندھ کو عبور کر کے آزاد قبائلی علاقے میں داخل ہوئے آزادی کی فضا میں سانس لے کر انھوں نے اکھوں نے بیک زبان اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ جس کی گونج پہاڑوں میں دور دور تک پہنچی۔

طلبہ کا یہ مختصر قافلہ قبائلی علاقوں کی دشوار گزار راہوں سے ہوتا ہوا افغانستان پہنچا اور وہاں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ چند ماہ بعد مولانا عبیداللہ سندھی بھی کوئٹہ کے راستے ویران راستوں سے گزرتے ہوئے قندھار آئے اور وہاں سے اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچے اور طلبہ کے اس اس گروہ کی رہنمائی کرنے لگے۔

اس طرح مجاہد طلبہ کا یہ مختصر جیش اپنی تعلیم کے سلسلے کو ادھورا چھوڑ کر، مستقبل سے بے نیاز ہو کر وطن عزیز کو انگریزوں کی محکومی کے چنگل سے آزاد کرانے اور اتحادیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے لیے ہزاروں صعوبتیں سہتا، مگر راہ حق میں ثابت قدم رہ کر غلامی کی شب تار اور استعماری استبداد کے طوفان بلا خیز میں آزادی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ لے کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ ظفر حسن اس قافلہ حریت و سرفروشاں کے ایک اہم رکن تھے۔

ظفر حسن مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد معتمد الیہ بنے امیر حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد امیر امان اللہ خان بر سر اقتدار آئے تو انگریزوں کے خلاف چوتھی جنگ افغان ہوئی محمد نادر خان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جنگ میں افغانستان کی افواج کے سپہ سالار اعلیٰ تھے اور ٹھل کے محاذ پر ظفر حسن نے ان کی قیادت میں داد شجاعت دی۔ ان معرکوں میں ظفر حسن کی کارکردگی سے سپہ سالار نادر خان اتنے متاثر ہوئے کہ فرانس میں قیام کے دوران اور بعد میں جب وہ افغانستان کے بادشاہ بنے تو ظفر حسن کی خدمات کو یاد کرتے اور سراہتے رہے۔

کابل میں حکومت موقتہ ہند میں مولانا عبیداللہ سندھی وزیر داخلہ تھے اور ظفر حسن اس عارضی حکومت کے سیکریٹری تھے۔ چنانچہ جنگ افغانستان کے موقع پر جو اعلانات عارضی حکومت کے جاری ہوئے ان پر ان دونوں حضرات کے دستخط ہوتے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب انگریزوں اور امیر امان اللہ خان کے مابین صلح ہو گئی اور امیر کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا گیا تو انگریزی دباؤ کے تحت مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کا کابل میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ افغانستان میں سات سالہ قیام کے بعد حریت پسندوں کا یہ قافلہ افغانستان سے روس روانہ ہوا تاکہ وہاں سے ترکی پہنچ سکے۔ مولانا عبیداللہ سندھی، ظفر حسن اور دیگر ساتھی ۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کابل سے روانہ ہوئے ان کے اس سفر کے لیے حکومت کابل سے دشوار گزار راستے کو مقرر کیا گیا ۲۲ر اکتوبر کو یہ قافلہ روس کی سرحد کے اندر داخل ہوا۔ جہاں آزمائش کا ایک نیا میدان ان کا منتظر تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پہلی جنگ عظیم کے بعد اتحادی افواج استانبول پر قابض تھیں۔ سمرنا (ازمیر) پر قبضے کے بعد یونانی افواج اناطولیہ کے خاصے حصے پر قابض ہو چکی تھیں اور مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں جہاد آزادی کا سلسلہ جاری تھا۔ جنگ استقلال ترکیہ فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی استانبول پہنچنے کے لیے مولانا عبیداللہ سندھی اور ظفر حسن کو کچھ عرصہ روس میں قیام کرنا پڑا، اس قیام کے دوران ظفر حسن ماسکو یونیورسٹی میں بھی داخل ہوئے بعض روسی افسروں کو انگریزی بھی پڑھاتے رہے ظفر حسن کی کوشش سے وزیر خارجہ روس چچرن سے مولانا عبیداللہ سندھی کی ملاقاتیں ہوئیں جن میں ظفر حسن نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے ان ملاقاتوں کے بعد مولانا ۱۹۲۳ء میں ترکیہ روانہ ہو گئے ۱۹۲۴ء میں ظفر بھی ترکیہ پہنچ گئے۔ ترکیہ جمہوریہ معرض وجود میں آچکی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترکیہ پہنچ کر مولانا عبیداللہ سندھی اور ظفر حسن دارالامان میں تو آ گئے تھے مگر یہاں تعیم کے ابتدائی چند سال ان کے لیے بڑے کٹھن تھے گزر اوقات کے لیے کوئی ذریعہ معاش نہ تھا ترکی زبان سے ناآشنا تھے۔ ظفر حسن نے ایک ناشر کتب سے مل کر یہ راہ پیدا کی کہ مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ اور الفاروقؓ کے ترکی تراجم کا بیڑہ اٹھایا وہ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کرتے اور ایک انگریزی جاننے والے ترک انہیں ترکی کا جامہ پہناتے اس طرح شبلی کی سیرت النبیؐ عصر سعادت کے عنوان سے ترکی میں شائع ہوئی۔ ان تراجم سے گزر اوقات کا سامان بھی بنا مگر نان اور نمک کی حد تک۔ مولانا عبیداللہ سندھی ۱۹۲۶ء میں حجاز روانہ ہو گئے۔ ۱۹۲۷ء میں ظفر حسن کی والدہ نے حج کے ارادے اور اپنے لخت جگر سے ملاقات کے لیے پروگرام بنایا اور ظفر حسن کو خط لکھا۔ ظفر حسن کے پاس سفر حج کے لیے زادِ راہ بھی نہیں تھا اور ترکیہ سے حجاز کو اس زمانے میں جہاز بھی کوئی نہ جاتا تھا۔ مگر قدرتِ الٰہی نے یہ سامان بھی پیدا کر دیئے۔ محمد نادر خان نے فرانس سے زادِ سفر بھیج دیا اور اتفاق سے اس سال ایک بحری جہاز بھی استانبول سے حجاز روانہ ہو گیا۔ اس طرح والدہ اور فرزند کی اس دنیا میں آخری ملاقات کا انتظام ہو گیا تھوڑے عرصے بعد وہ ترکی کی فوج میں ریزرو افسر کے طور پر تربیت کے لیے داخل ہوئے ۱۹۳۰ء میں انھیں ترکی فوج میں کمیشن ملا۔ اور وہ توپ خانے میں افسر بن گئے۔ اس زمانے میں ترکیہ کے ایک معزز گھرانے کی خاتون آمینہ خانم سے ان کی شادی ہوئی۔ قونیہ میں انھیں پہلی بار فوجی کمان ملی ۱۹۳۳ء میں فوجی معلم کی حیثیت سے ان کا افغانستان میں تقرر ہوا۔ جس کے لیے محمد نادر شاہ نے خواہش کی تھی۔ مگر ظفر حسن ابھی کابل نہیں پہنچے تھے کہ ان کے مربی محمد نادر شاہ شہید کر دیے گئے بہرحال ظفر حسن نے کابل پہنچ کر افغان افواج کی تربیت میں اہم حصہ لیا۔ افغان توپ خانے کے لیے نئی توپیں بنوانے کے لیے یورپ بھی گئے۔ چند سال بعد واپس ترکیہ پہنچے اور ۱۹۴۵ء میں ترکی توپ خانے میں کپتان کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ بعد میں عسکری کالج میں ان کی خدمات انگریزی کے معلم کی حیثیت سے جاری رہیں۔

ظفر حسن ایبک ایک صاحب سیف مجاہد ہی نہیں تھے۔ بلکہ ایک صاحب قلم ادیب اور صحافی بھی تھے۔ انگریزی اردو اور ترکی تینوں زبانوں میں وہ لکھتے رہے اور اپنی صحافتی زندگی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوران ایک زمانے میں بمبئی کرانیکل میں مستقل لکھتے رہے اور اخبار 'مسلمان' کلکتہ کے نامہ نگار رہے قیام پاکستان کے بعد ترکیہ اور پاکستان کے مابین ثقافتی و سیاسی روابط کی استواری کے لیے دوسری کوششوں کے علاوہ انھوں نے بہت سے مضامین ترکی اخباروں میں لکھے فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد ظفر حسن ریزرو آفیسر کالج اور سٹاف کالج میں معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تعلیم کے ساتھ تصنیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ آر۔سی۔ڈی کے ایما پر انھوں نے ترکی اردو اور اردو ترکی لغات تیار کیں۔ ترکیہ اردو لغت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد شائع کر رہا ہے اور اردو ترجمہ کا مسودہ مقتدرہ قومی زبان کے پاس حالت منتظرہ میں ہے قواعد زبان پر بھی انھوں نے ترکی اردو میں کام کیا۔ مرحوم کو اپنی یہ تالیفات طبع شدہ حالت میں دیکھنے کی حسرت ہی رہی مگر اب وہ آرزو اور حسرت کے اس جہان فانی سے دور جا چکے ہیں۔

ظفر حسن ایبک تاریخ ساز کردار کے مالک تھے ان کی آپ بیتی ان کے اپنے مجاہدانہ کردار کا ہی عکس پیش نہیں کرتی بلکہ تاریخ کے ایک اہم دور کی حقیقی روح پیش کرتی ہے اور تحریک آزادی میں ہندی مسلمانوں کے شاندار اور قابل فخر کارناموں کی روداد ہے۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما!

برصغیر کی آزادی اور قیام پاکستان کے قیام کے بعد ترکیہ اور پاکستان کے برادرانہ روابط کے قیام میں ظفر حسن کی خدمات قابل قدر ہیں۔ یہ بے لوث خدمات وہ بغیر کسی ستائش یا صلے کی تمنا کے اپنی زندگی کی آخری سانس تک انجام دیتے رہے ظفر حسن ایبک نے اپنی جہاتی زندگی کی روداد آپ بیتی کی صورت میں ایک عرصہ پہلے لکھی تھی۔ جس کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں۔ "میں جب ۱۹۴۹ء میں ۴۳ سال کی جلاوطنی کے بعد لاہور گیا تو میرے محترم استاد مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بعض مخلصوں نے مجھے کہا کہ میں ان چند سالوں کے حالات قلمبند کروں جن میں مجھے ان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل رہا تھا۔ میں نے بعض سیاسی ملاحظوں اور خیالوں کی وجہ سے لکھنے سے انکار کیا تھا۔ لیکن ان صاحبوں میں سے چند احباب کو میں نے کچھ حالات سنائے تھے اور ان سے درخواست کی تھی کہ ان باتوں کو میری زندگی میں شائع نہ کریں میرے ترکی واپس آتے پر بعض اور صاحبوں نے بھی اس پر زور دیا کہ میں اپنی سوانح عمری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھوں میں ایک حد تک اس کے لیے روشنی ہوگی۔ اور اپنے عزیز محترم بھائی صاحب میاں محمود حسن مرحوم ریٹائرڈ پی ای ایس سے جو مجھ پر ہمیشہ پدر مرحوم کی طرح شفقت کرتے رہے ہیں۔ بعض ضروری کاغذات و اطلاعات مانگیں تاکہ ان سے بعض تاریخوں اور واقعات کا حال ٹھیک طرح پر معلوم کر سکوں لیکن بعض واقعات کے ذکر کے ڈر سے میں اس اقدام سے باز رہا۔

۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء کو پاکستان کے پریس اتاشی شریف الحسن صاحب میرے ہاں بیت پر تشریف لائے اور ان سے باتیں کرتے ہوئے میرے اپنے حالات قلم بند کرنے کا مسئلہ چھڑ گیا انھوں نے اس پر بہت اصرار کیا نہ میں کم از کم تاریخ کی خدمت کرنے کی غرض سے ضرور ان واقعات کو لکھ ڈالوں لیکن ان کی اشاعت کو اپنی رحلت تک ملتوی رکھوں۔ ان کی باتوں کا مجھ پر اثر ہوا، اور میں اپنے حالات زندگی لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ اگر ان سے میرے اپنے ہم وطن پاکستانی کچھ فائدہ اٹھا سکیں یا ان حالات کی تحریر سے اس جد و جہد پر کچھ روشنی پڑ جائے جو انقلاب پسند مسلمانوں نے برصغیر ہند کی آزادی کے لیے کی تھی تو میرے لیے اطمینان کا باعث ہوگا۔"

ظفر حسن ایبک مرحوم کی یہ آپ بیتی ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دوران تین حصوں میں شائع ہوئی پاکستان کے اخبارات نے اس کا خیر مقدم کیا۔ مختلف اصحاب نے اس پر تبصرے کیے اور مضامین لکھے لیکن اس کی طباعت اتنی ناقص اور اغلاط سے پر تھی کہ سب نے اس پر افسوس ظاہر کیا۔ ظفر حسن نے خود اس کا اغلاط نامہ تیار کیا مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی تھی۔ تیسرے حصے کو بھی روکنا پڑا۔ راقم الحروف ۱۹۸۵ء میں جب استنبول میں ان سے ملا تو انھوں نے مجھے یہ آپ بیتی پڑھنے کے لیے عنایت فرمائی۔ پڑھ کر مجھے فوراً خیال آیا کہ اس قیمتی دستاویزی تاریخی تالیف کو بہتر انداز میں نظر ثانی کر کے ایک جلد میں مرتب کیا جا سکتا ہے۔ جناب الطاف اے شیخ سابق سفیر نے بھی میرے خیال سے اتفاق کیا یہ کام مصنف کے مکمل تعاون ہی سے ممکن تھا پہلی ملاقات کے بعد ظفر حسن ایبک اور میرے مابین باپ بیٹے کا ایسا محبت آمیز تعلق قائم ہوا کہ مرتے دم تک یہ ساتھ جاری رہا۔ تین سال سے زائد عرصے کی یہ محبت بھری یادیں بھی میرے قیمتی متاع ہیں۔ جن کی تحریر اور بازیافت کے لیے کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ انشاء اللہ اس دوران آپ بیتی پر نظر ثانی ہوئی اور مولف کی اجازت و رضامندی سے قطع و برید اور ترامیم و اضافہ کر کے اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الولی حیدرآباد

یک جلد کی صورت نہ دی گئی۔ الحمد للہ کہ یہ آپ بیتی اب لاہور سے چھپ گئی ہے۔ ظفر حسن کی یہ آخری آرزو تھی[1]۔

---

[1] جناب ظفر حسن ایبک مرحوم کی یہ آپ بیتی "خاطرات" کے نام سے ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۲۱۰ روپے ہے اور اس پتے سے مل سکتی ہے، تحریک ریشمی رومال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۷/ لمبے گلی روشن دین محلہ حکیماں اندرون لاہور ۔ ۵۴۰۰۰۔

خیر امت کیوں کہا گیا؟

جتنی امتیں دنیا میں اصلاح خلق اللہ کے لیے دنیا میں بھیجی گئیں ان سب میں سے بہتر امت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس لیے قرار پائی کہ انھیں جو دستور العمل دیا گیا زندگی کا جو ہدایت نامہ ان کے سپرد کیا گیا اور جس جامع واکمل اور غیر متبدل قانون کی اتباع کا انھیں حکم دیا گیا۔ وہ بھی تمام سابقہ قوانین سے بہتر، ازلی وابدی قانون ہے، فلاح دارین کا یقینی رہنما اور واضح ہدایت نامہ ہے۔ چنانچہ ایسے قانون کے متبع ایسے اعلیٰ وارفع نظام حیات کے پیروکار اور اس قدر بے مثال قانون پر عمل کرنے والے خیر امت ہی کہلا سکتے ہیں۔

قرآن میں آج بھی تاثیر موجود ہے:

امت مسلمہ کا آج بھی ایمان ہے کہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں وہی قرآن عزیز موجود ہے جو چودہ سو سال پہلے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھا اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوئی اور اس کے اندر آج بھی وہی تاثیر موجود ہے جو خیر القرون میں تھی۔ ہمارا یہ بھی پورا یقین ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں کی امداد کے جو وعدے خداوند قدوس نے چودہ سو سال پہلے کیے تھے وہ آج بھی اسی طرح ہیں اور ان میں رائی برابر فرق نہیں آیا۔

© rasailojaraid.com